آغا عبدالواسع

خواجہ حافظ شیرازی

خواجہ حافظ شیرازی، حضرت خواجہ نقشبندؒ کے مرید تھے۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز دہلوی میں مذکور ہے کہ حافظ، فوائد سلوک، شعر میں بیان کرتا ہے۔ عالم و متقی تھا اور شراب نہیں پیتا تھا۔ وہ فرماتے ہیں ایک روز میرے والد کے روبرو ایک شخص نے اپنا حال بیان کیا کہ میں شیراز میں سیاحت کے لیے گیا تھا۔ خواجہ صاحب کی قبر شہر سے باہر واقع ہے۔ اکثر رندو مے خوار وہاں جمع ہوتے ہیں۔ میں مسافر تھا، اسی جگہ قیام کیا اور کہا۔ "اے حافظ! میں تمہارا مہمان ہوں اور بھوکا ہوں، خرچ بھی نہیں ہے۔" پہر شب یا اس سے بھی زیادہ گزرا ہوگا کہ دیکھا کہ ایک شخص کے سر پر دسترخوان ہے اور دوسرے آدمی کے ہاتھ میں مشعل ہے۔ اس طرف چلے آتے ہیں، پہلے تو خوف زدہ ہوا، آخر ہمت کر کے اٹھ بیٹھا۔ جب قریب آئے تو آواز دی کہ مہمانِ حافظ کہاں ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میں یہاں موجود ہوں! کہا میں سویا ہوا تھا کہ حافظ کو خواب میں دیکھا، فرماتے ہیں کہ ایک شخص ہمارا مہمان ہے، بھوکا ہے اور خرچِ راہ بھی نہیں رکھتا۔ میں طعام تقسیم کر چکا تھا، تلاش کے بعد جو کچھ ملا حاضر ہے اور یہ پانچ اشرفیاں زادِ راہ ہیں۔

خواجہ صاحب کے عقیدت مندوں کا حلقہ بڑا وسیع ہے۔ ایران، افغانستان اور وسط ایشیا میں کثرت سے لوگ ان سے ارادت رکھتے ہیں۔ وہ اسے لسان الغیب اور ترجمان الاسرار کہہ کر پکارتے ہیں اور اُن کے دیوان سے فال نکالتے ہیں، پھر اس کے جواب سے مطمئن بھی ہوجاتے ہیں۔

مشہور ہے ایک دفعہ ملکہ نورجہاں کا نولکھا ہار گم ہوگیا، وہ خواجہ حافظ کی بڑی معتقد تھی، رات کو خیال آیا کہ اس سے دریافت کروں، اسی وقت کنیز کو بیدار کیا اور اسے شمع لے کر اس الماری تک چلنے کی ہدایت کی جس میں دیوان حافظ پڑا تھا، ملکہ نے فال لی تو یہ شعر نکلا:

بہ فروغِ چہرۂ زلفت ہمہ شب زند رہِ دل — چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

ملکہ نے فوراً کنیز کی کلائی پکڑ لی اور کہا۔ تیرے سوا کسی نے چوری نہیں کی، چراغ تیرے ہاتھ میں ہے، اگر جان کی امان چاہتی ہو تو ہار لا دو۔ کنیز کے لیے اقبالِ جرم کے سوا کوئی چارہ نہ رہا اور اس نے ملکہ کو ہار لا دیا۔

حافظ شیرازی کو فارسی شاعری میں جو مقام حاصل ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ایران آج تک اس کے ایسا شاعر پیدا نہیں کر سکا۔ اس کی شاعری سحر حلال ہے اور غزل اس کے قلم کو سجدہ کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی شاعر سے اس کا تتبع نہ ہو سکا۔ حافظ استعارے میں بات کرتا ہے، وہ اس نکتے سے بخوبی واقف تھا کہ خیال و حقیقت کی دھوپ چھاؤں میں جھولا جھولتا ہے۔ اس کے کلام میں جلال بھی ہے اور جمال بھی ہے اگر خیال کی رعنائی کبھی اپنے انداز سے نہیں چوکتی۔

حافظ کی زندگی ہی میں اس کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تھی۔ چنانچہ وہ خود کہتا ہے:

عراق و پارس گرفتی بہ شعر خود حافظ ۔۔۔ بیا کہ نوبتِ بغداد و وقت تبریز است

دوسری جگہ اسی مضمون کو یوں ادا کرتا ہے:

حافظ حدیثِ سحر فریب خوشت رسید ۔۔۔ تا حدِ چین شام با قصائے روم و رے

غیاث الدین (شاہ بنگالہ) حافظ کا ہم عصر تھا، اس کے محل میں تین لونڈیاں، سرو، گل اور لالہ نامی تھیں۔ بادشاہ کو ان سے محبت تھی اور اس نے خدمتِ غسالگی ان کے سپرد کر رکھی تھی۔ اتفاقاً بادشاہ بیمار ہو گیا، سرو و گل و لالہ نے حق خدمت ادا کیا۔ بادشاہ نے خوش ہو کر انھیں آزاد کر دیا۔ حرم سرائے شاہی کی دوسری کنیزیں آتشِ حسد میں جلنے لگیں، وہ ایک دوسری کو غسالہ کہہ کر چھیڑتیں اور بادشاہ کی محبت کے تذکرے کرتیں۔ ایک دن بادشاہ سرور کے عالم میں تھا، شراب کا دَور چل رہا تھا، اس کے دل میں یہ مصرع آیا۔

ساقی حدیثِ سرو و گل و لالہ می رود

ہر چند کوشش کی مگر دوسرا مصرعہ موزوں نہ ہو سکا۔ شعرائے دربار نے بھی طبع آزمائی کی مگر بادشاہ کو کسی کی تضمین پسند نہ آئی۔ چنانچہ یہ مصرعہ خواجہ حافظ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ اس نے غزل لکھ کر بھیج دی اور اس میں اپنی کرامت کا یوں اظہار کیا:

ساقی حدیثِ سرو و گل و لالہ می رود ۔۔۔ وین بحث با ثلاثۂ غسالہ می رود

بادِ بہار می وزد از بوستانِ شاہ ۔۔۔ وز ژالہ بادہ در قدحِ لالہ می رود

آں چشم جادوانۂ عابد فریب بیں ۔۔۔ کش کاروانِ سحر بہ دنبالہ می رود

خوی کردہ می خرامد و بر عارض سمن ۔۔۔ از شرم روئے او عرق از ژالہ می رود

شکر شکن شوند ہمہ طوطیانِ ہند ۔۔۔ زیں قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود

حکمائے یونان نے شراب نوشی کے جو قواعد مقرر کر رکھے ہیں ان کی رو سے علی الصبح تین پیالے شراب کے پیئے جاتے ہیں، جن سے معدے کا غسل اور صفائی ہو جاتی ہے، اسے ثلاثہ غسالہ کہتے ہیں۔ حافظ نے مطلع ثانی میں اسی تلمیح کی طرف اشارہ کیا ہے۔

حافظ کے زمانے میں خواجہ عماد ایک مشہور فقیہ تھے اور بادشاہ کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔ انھوں نے ایک بلی پال رکھی تھی جو ان کی دیکھا دیکھی سر جھکاتی اور اٹھاتی، گویا مالک کی طرح نماز پڑھ رہی ہے۔ لوگوں میں عام طور پر مشہور تھا کہ خواجہ عماد کی بلی بھی عبادت گزار ہے۔ حافظ نے اپنی ایک غزل میں خواجہ عماد کی ریاکاری پر اس طرح طنز کیا:

اے کبکِ خوش خرام کجا می روی بناز — غرہ مشو کہ گربۂ عابد نماز کرد

اسی طرح علمائے سُو اور واعظانِ بے تمکیں کی پردہ دری حافظ کے خاص موضوعاتِ سخن ہیں جس کو اس نے طرح طرح سے بیان کیا ہے:

واعظاں کیں جلوہ برمحراب و منبر می کنند — چوں بخلوت می روند آں کارِ دیگر می کنند

صوفیاں جملہ حریف اندر و نظر باز و لے — زیں میاں حافظِ دل سوختہ بدنام افتاد

رُخ بہ سوئے خانۂ خمار دارد پیرِ ما — چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیرِ ما

حافظ نے اپنے کلام میں جس شراب کا ذکر کیا ہے، اس کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے مندرجہ ذیل اشعار پر غور کریں:

ساقی بہ نورِ بادہ برافروز جامِ ما — مطرب بگو کہ کارِ جہاں شد بکامِ ما

ما در پیالہ عکسِ رخِ یار دیدہ ایم — اے بے خبر ز لذتِ شُربِ مدامِ ما

دوش دیدم کہ ملائک درِ میخانہ زدند — گلِ آدم بسرشتند و بہ پیمانہ زدند

با گدایانِ درِ میکدہ اے سالکِ راہ — با ادب باش کہ از سرِ خدا آگاہی

بہ درِ میکدہ رندانِ قلندر باشند — کہ ستانند و دہند افسرِ شاہنشاہی

گدائے میکدہ ام لیک وقتِ مستی بیں — کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ زنم

با من راہ نشین خیز و سوئے میکدہ آ — تا بہ بینی کہ دراں حلقہ چہ صاحب جاہم

رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند — گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

کیا یہ پیمانوں میں چھلکنے والی رنگین گلابی ہے یا اس سے شرابِ معرفت مراد ہے :

آں تلخوش کہ صوفی ام الخبائثش خواند — اشھیٰ لنا و احلیٰ من قبلۃ العذارا

جب صوفی مقامِ جمع میں پہنچتا ہے تو واجب اور ممکن اسے ایک نظر آتے ہیں اور تفرقہ اس کی نظر سے اُٹھ جاتا ہے، یہی کیفیت مذکورہ بالا شعر میں بیان ہوئی ہے :

مستی بہ چشمِ شاہدِ دلبندِ ماخوش است — زاں رُو سپردہ اند بہ مستاں زمامِ ما

بارہا گفتہ ام و بارِ دگر می گویم — کہ من دِل شدہ ایں رہ نہ بخود می پویم

کیا اس مستی سے فنائیت مراد نہیں لی جا سکتی اور مست وہ شخص نہ ہوگا جو فنا فی اللہ کے مقام میں ہو۔

حافظ کے کلام میں حسنِ ادا اور زینت اپنی معراج کو پہنچی ہوئی ہے مگر اس کے اسلوبِ بیان سے یہ پتا لگانا دشوار ہے کہ اس کا محبوب مجازی ہے یا حقیقی۔ اس کے کلام میں شروع سے آخر تک ایک عجیب قسم کی یکسانیت پائی جاتی ہے جو الہامی کتب کا خاصہ ہے۔ اگر آپ غور سے اس کی غزلیات کا مطالعہ کریں تو ... کے بیشتر اشعار پر نعتِ رسولؐ کا گمان گزرے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہاشمی مطلبی تھے اور اپنی قوم کے سردار تھے۔ اس لیے حافظ نے یہ شعر کہا :

اے زاہدِ خود بیں بہ درِ میکدہ بگذر — آں دلبرِ من بیں کہ بود میرِ قبائل

اس میں میرِ قبائل کی تشبیہ کتنی پیاری ہے :

اسی طرح مندرجہ ذیل شعر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "خسروِ خوباں" کہہ کر پکارا ہے :

اے خسروِ خوباں نظرے سوئے گدا کن — رحمے بہ منِ سوختۂ بے سروپا کن

ایک مرصع غزل کے دو شعر ملاحظہ ہوں :

اے قبائے بادشاہی راست بر بالائے تو — زینتِ تاج و نگیں از گوہرِ والائے تو

اندر رسومِ شرع و حکمت با ہزاراں اختلاف — نکتۂ ہرگز نہ شد فوت از دلِ دانائے تو

نگارِ ما کہ بہ مکتب نہ رفت خط ننوشت — بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

مذکورہ بالا شعر کو اس آیتِ قرآنی کے آئینے میں دیکھیں تو اس کا لطف دوبالا ہو جائے گا :

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ ۔ (عنکبوت: ۴۸)

اور تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اسے اپنے ہاتھ سے لکھ ہی سکتے تھے، ایسا ہوتا تو اہلِ باطل ضرور شک کرتے

مئے دو سالہ و معشوق چار دہ سالہ   ہمیں بس است مرا صحبت صغیر و کبیر

اگر یہاں چار دہ سے چالیس سال مراد لیے جائیں تو شعر کا مفہوم یکسر بدل جائے گا۔ اس صورت میں مئے دو سالہ امدلول قرآن مجید ہوگا کیونکہ ایک دفعہ لوحِ محفوظ سے سمائے دنیا پر اس کا نزول ہوا اور دوسری دفعہ قلبِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر۔ پس شرابِ وحدت دو آتشہ ہوگئی:

اگر میری اس توجیہ سے آپ کو اتفاق نہیں تو مندرجہ ذیل اشعار میں غور کریں:

غلامِ نرگسِ مستِ تو تاجدار انند   خرابِ بادۂ لعلِ تو ہوشیار انند

نصیب ماست بہشت اے خدا شناس برو   کہ مستحقِ کرامت گنہگار انند

تو دستگیر شو اے خضرِ پے خجستہ کہ من   پیادہ می روم و ہمرہاں سوار انند

خلاصِ حافظ ازاں زلفِ تابدار مباد

کہ بستگانِ کمندِ تو رستگار انند

کیا یہ اشعار کسی رندِ بادہ خوار کے ہو سکتے ہیں۔

اقبال اور سوشلزم

از جسٹس ایس اے رحمان

عصرِ حاضر نے معاشرے کی تشکیلِ نو کے لیے متعدد تحریکوں کو جنم دیا ہے، جن میں اشتراکیت یا سوشلزم کی تحریک سرِ فہرست ہے۔ اس تحریک نے مشرق و مغرب کے کثیر التعداد ذہنوں کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ پاکستان یک نظریاتی ملک ہے، جس کی اساس، سربراہانِ ملک کے اعلانات کے مطابق، اسلام کے نظامِ فکر و عمل پر قائم ہے، لیکن اس ملک میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو چکا ہے جو سوشلزم کا نام لیوا ہے۔ علامہ اقبال نے انسانی زندگی کے ہر پہلو پر بصیرت افروز کلام اور اپنی حکمت اندوز تحریروں میں اظہارِ خیال کیا ہے۔ اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ اس ملک کے فکری بانی علامہ اقبال نے اس تحریک کے متعلق کیا سوچا، کیا کہا اور کیا لکھا۔ موجودہ دور میں اس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ خوبصورت ٹائپ اور بہترین کاغذ۔ قیمت: -/۱۰ روپے

ملنے کا پتا: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور